نقشِ آغاز — بسم اللہ الرحمن الرحیم — راشد الحق سمیع

کیا حقانیہ حکومتی فنڈ لینے والا پہلا مدرسہ ہے؟

دارالعلوم حقانیہ کیلئے صوبائی حکومت کی فنڈنگ کے حوالے سے ان دنوں پوری دنیا میں گرما گرم بحث اور غلیظ ترین پروپیگنڈہ اپنے عروج پر ہے۔ خصوصاً الیکٹرانک اور سوشل میڈیا میں یکطرفہ طوفان مچا ہوا ہے لیکن افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے دینی و مذہبی حلقے کے سوشل میڈیا گروپس (فیس بک، ٹوئٹر، واٹس اپ) بھی بغیر کسی تحقیق اور سوچ سمجھ کے اغیار کی لگائی ہوئی آگ کو بھڑکا رہے ہیں، جو کہ نہایت قابل افسوس امر ہے۔

بعض اہل علم حضرات نے بھی دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے متعلق ایسی عامیانہ زبان اور گھٹیا الزامات عائد کیے ہیں جو کم از کم اہل علم و دانش کو زیب نہیں دیتا۔ یہاں دارالعلوم کی صوبائی حکومت کی امداد پر اعتراضات اور الزامات عائد کرنے والے حضرات کے سامنے چند گزارشات اور دارالعلوم دیوبند جو ہم سب کا علمی و روحانی قبلہ و مرکز ہے، حکومتی امداد کے حوالے سے اس کا موقف اور کردار کیا رہا ہے؟ اور دیگر مدارس و مذہبی جماعتوں نے کیا اس سے قبل حکومتوں کی گرانٹ اور دیگر مراعات حاصل نہیں کیں؟ اس پر ایک مختصر سا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے دارالعلوم حقانیہ کی امداد پر معترض اور انگلی اٹھانے والے افراد تعصب و نفرت کی عینک اتار کر ٹھنڈے دماغ سے غور و فکر فرمائیں گے کہ یہ کوئی جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا مسئلہ نہیں بلکہ اداروں کی ضرورت اور پالیسی پر مبنی ہے۔

(الف) اس ضمن میں قاسم العلوم بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ کا ذکر بڑے زور و شور سے دینی حلقے اٹھا رہے ہیں کہ مسلک دیوبند سے وابستہ مدارس حکومتی امداد قبول نہ کریں کیونکہ یہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے اصول ہشت گانہ کے خلاف ہے۔ عرض یہ ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے

والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے اصولی موقف (اصول ہشت گانہ) کو کن وجوہات اور کن مصالح کے تحت مختلف حکومتوں اور ہندوستان میں قائم خودمختار ریاستوں سے بھاری بھرکم امداد اور چندے آخر کیوں وصول کئے؟

مثال کے طور پر حضرت مولانا قاری طیب صاحب کا 1359ھ میں سفر افغانستان جس میں وہاں کے علما اور دانشوروں کے علاوہ افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ اور وزیر اعظم سے ملاقاتیں ہوئیں، اور اسی سفر میں دارالعلوم دیوبند میں قائم "باب الظاہر" کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار افغانی روپے اس وقت کی بھاری بھرکم گرانٹ مولانا قاری طیب نے بطیب خاطر خوشی کے ساتھ قبول کر کے اس سے دارالعلوم دیوبند میں عظیم الشان سہ منزلہ عمارت "باب الظاہر" جس میں بڑی بڑی درسگاہیں متعدد کمرے وغیرہ ہیں ،کی تعمیر کی، پھر بعد میں سفر ہندوستان کے موقع پر ظاہر شاہ نے اس کا دورہ بھی کیا اور اس امداد پر ان کے اعزاز میں تعریفی نظمیں اور خراج تحسین پیش کیا گیا۔ (بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند: مصنف سید محبوب رضوی ص:۴۰۰)

اسی طرح سعودی بادشاہ شاہ سعود نے 1373ھ میں اپنی حکومت کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کو پچیس ہزار کی خطیر گرانٹ فراہم کی اور اتفاق سے پھر اسی سال دارالعلوم دیوبند کا دورہ بھی کیا۔

(بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند: مصنف سید محبوب رضوی ص:388)

اسی طرح 1305ھ میں ریاست حیدرآباد دکن کے صدر اعظم نواب سر آسمان جاہ نے دولت آصفیہ کی جانب سے سو روپیہ ماہانہ مقرر کیا جو بعد میں وقتاً فوقتاً سو سے پانچ سو اور پھر ایک ہزار تک پہنچ گیا، حافظ محمد احمد صاحبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مساعی سے یہ سلسلہ سقوط حیدرآباد دکن تک جاری وساری رہا۔ اس حکومتی ماہانہ امداد کے علاوہ ریاست حیدرآباد دکن کی طرف سے تین ہزار روپے برائے تعمیرات بھی الگ سے دی گئیں۔ (بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند: مصنف سید محبوب رضوی ص ۴۰۰)

چوتھی مثال ریاست بھوپال کی ہے جس میں دارالعلوم دیوبند کو امداد دو سو سے بڑھتے بڑھتے تین ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ بھی کئی ریاستوں اور حکومتوں کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کو وقتاً فوقتاً مختلف ہدیہ، عطیے اور کتابوں کے تحائف وغیرہ ملتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کی تعمیرات کے لئے مختص بھاری بھرکم حکومتی امدادوں کے علاوہ روزمرہ کے اخراجات جیسے طلبا کے کھانے پینے، اساتذہ کی تنخواہوں بلکہ مدرسہ کے جملہ مصارف میں بھی یہ چندے اور امدادیں کئی دہائیوں تک مسلسل استعمال ہوتی رہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی جرم نہیں تھا، بلکہ ادارہ کی

ضرورت وہاں کے ارباب اہتمام بخوبی جانتے تھے۔

اب اگر عرصہ دراز کے بعد (بقول حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب کے) دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ کے حقانیہ ہائی سکول کی ڈگری کالج تک اپ گریڈیشن اوراس کے لئے بلڈنگ بمع اکیڈمک بلاک، سینیٹیشن اورواٹر ٹینک کی تعمیر کے سلسلے میں مقامی ایم پی اے کاتعاون قبول کرنے کے سلسلے میں جامعہ کے اساتذہ کرام اور مجلس شوریٰ کے اہم اراکین کی مشاورت سے حامی بھری ہے تو اس امداد پر اصول ہشت گانہ کی خلاف ورزی کا شور مچانا سمجھ سے بالاتر ہے بلکہ یہ امداد کسی نقدی کی صورت میں دارالعلوم کو نہیں ملے گی اور نہ ہی صوبائی حکومت دارالعلوم کے کسی بھی فیصلے اور انتظام وانصرام میں مداخلت کرے گی کیونکہ مداخلت اوراثر ورسوخ کا خطرہ وفاقی حکومت سے تو ہوسکتا ہے لیکن صوبائی حکومت نے کوئی پابندی اور پیشگی شرائط نہیں رکھیں بلکہ جدید علوم وفنون کا تقاضا کیا ہے جو الحمدللہ دارالعلوم میں پہلے ہی سے بااحسن طریقے سے پڑھائے جارہے ہیں، وفاق المدارس العربیہ کے نصاب کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین کو مزید موثر اور جدید بنانے کا ارادہ ہے۔ بلکہ حکومت اپنے متعلقہ محکمے C&W کے ذریعے ٹینڈر کے ذریعے کسی فرم اور کمپنی سے کروائے گی جس کا دارالعلوم کے آمد وخرچ ،طلباء کے قیام وطعام ،اساتذہ ودیگر عملہ کی تنخواہوں سے کوئی تعلق نہیں۔

اب پاکستان کے دیگر دینی جامعات اور دینی قائدین کی طرف ایک نظر ڈالئے۔مثال کے طور پر کیا ڈیرہ اسماعیل خان کے ''مدرسہ معارف الشرعیہ''اور جمعیۃ علماء اسلام (ف) کے صوبائی سیکرٹریٹ واقع رنگ روڈ پشاور پر قائم بہت بڑے کمپلیکس ذاتی گھر اور مسجد کی تعمیر لیبیا کے کرنل قذافی کے بھاری بھرکم اعلانیہ تحریہ امداد سے نہیں ہوئی؟اس کے علاوہ ایم ایم اے کے دور حکومت میں وزیراعلیٰ اکرم درانی نے جمعیت ف کے اکثر چھوٹے بڑے مدارس اور جمعیت (ف) کے اہم صوبائی ومرکزی رہنماؤں کو بھاری بھرکم گرانٹس اور ADP کے ترقیاتی پروگراموں میں کروڑوں روپے بغیر کسی میرٹ اور پالیسی کے دیئے ،اس کے ساتھ ساتھ جنوبی اضلاع کے چھوٹے بڑے درجنوں مدارس کو کروڑوں روپوں کے سرکاری فنڈز بھی جماعتی بنیادوں پر جاری کئے گئے۔(جن کی تفصیلی فہرست تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے، اور اسے متعلقہ سرکاری محکموں کے ریکارڈ سے نکال کر ایک کتابی صورت میں جمع کردیا گیا ہے کیونکہ مولانا فضل الرحمن صاحب کی دارالعلوم حقانیہ کی امداد پر مسلسل نکتہ چینی اور وفاق المدارس العربیہ کے متوقع اجلاس میں دارالعلوم حقانیہ کے خلاف ''مقدمہ'' پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس کے جواب اوران کی

تسلی کیلئے یہ بھاری بھرکم ریکارڈ مرتب کیا گیا ہے۔اس میں تمام سرکاری ریکارڈ اور تقریباً 380 مدارس کی سرکاری امداد کی تمام تر تفصیلات سرکاری ثبوتوں، چیک نمبرز اور متعلقہ ایم این اے، سینیٹر، صوبائی وزراء اور جمعیت (ف) کے اہم مرکزی رہنماؤں کے سفارشی خطوط برائے حکومتی امداد وغیرہ جمع کئے گئے ہیں۔)

ایم ایم اے دور میں جب جمعیت علماء اسلام (س) ابتدائی سالوں میں حکومت کی اتحادی رہی تو دارالعلوم کے ایک فاضل نے دارالعلوم حقانیہ کے ہائی سکول (قائم کردہ ۱۹۳۶ء بدست شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کی سائنس لیبارٹری، سرکاری کتابیں اور اپ گریڈیشن کی کوششیں کیں تو فضلائے حقانیہ کی حکومت نے ''ماشاء اللہ'' سال بعد جواب میں یہ ''نادر عذر'' پیش کیا کہ حقانیہ کا ہائی سکول ''حکومتی معیار'' کا نہیں۔لہٰذا ایم ایم اے دور میں دارالعلوم حقانیہ کو تیس کروڑ تو کیا تیس روپے بھی نہیں دیے گئے۔اس امتیازی سلوک اور سیاسی اقرباپروری اور ''اصول مفاد پرستانہ'' کو کیا نام دیا جائے؟

اس طرح کے پی کے کی گزشتہ عوامی نیشنل پارٹی کی حکومت اور اس کا وزیر اعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی نے ضلع مردان و ضلع صوابی کے دینی مدارس، ائمہ مساجد اور حجروں کی تعمیر و ترقی کیلئے ایک ارب پینتیس کروڑ روپے کی خطیر رقم تقسیم کی۔ان سرکاری امداد لینے والوں میں حسب سابق جمعیت علماء اسلام (ف) کے اکثریتی مدارس، ائمہ کرام اور علماء سرفہرست ہیں اور حکومتی گرانٹ برائے دینی مدارس مردان کا ایشو اور تفصیلات سارے صوبے کے عوام کو معلوم ہے۔ایک طرف قوم پرست، سیکولر، جہاد دشمن، دین بیزار اے این پی کے ساتھ نظریاتی اور سیاسی اختلاف، یہاں تک کہ بوقت ضرورت غدار وطن اور غدار اسلام بھی انہیں انتخابات میں قرار دیا جاتا ہے، لیکن حکومتی امداد کیلئے سارے اختلافات نظریات اور تکلفات پھر بالائے طاق کیوں؟ اسی طرح صوبائی اسمبلی میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے برادر مولانا لطف الرحمٰن (اپوزیشن لیڈر صوبائی اسمبلی) اس بات پر مسلسل ناراضگی کا اظہار کررہے ہیں کہ دارالعلوم حقانیہ کے لئے تیس کروڑ روپے آخر کیوں؟ اس امداد کو واپس لے کر دیگر مدارس پر بھی برابری کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے۔تعجب ہے کہ بقول جمعیت (ف) کے کہ عمران خان کی یہودنواز اور مغربی این جی اوز زدہ حکومت ہے تو اس ''غیر شرعی حکومت'' سے مدارس کیلئے امداد طلب کرنا کہاں کی دانشمندی اور کہاں کی سیاسی غیرت ہے؟

اب آیئے! پنجاب کی طرف جہاں کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نے مختلف دینی جامعات میں کروڑوں روپوں کے لیپ ٹاپ حکومتی اسکیم کے ذریعے تقسیم کیے، مختلف مدارس میں، انگلش اور کمپیوٹر

اکیڈمیز کے نام سے فنڈز دیئے، ایمبولینسیں اور دیگر مراعات بھی دی گئیں ہیں۔اس کے علاوہ پرویز الٰہی اور میاں نواز شریف (سابق وزیر اعلیٰ پنجاب) نے اپنے اپنے ادوار میں دینی مدارس کے لئے مختلف علماء کو لاہور کے قیمتی ترین علاقوں میں سرکاری پلاٹ بھی الاٹ کئے۔ملتان میں یوسف رضا گیلانی (سابق وزیر اعظم) نے بھی کروڑوں روپوں کے قیمتی پلاٹ الاٹ کئے تو اس طویل پس منظر میں کے پی کے کی صوبائی حکومت کی امداد دارالعلوم حقانیہ کے لئے آخر کیوں حرام اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی لیپ ٹاپ اسکیم، اور بلوچستان حکومت کی وہاں کے اکثر مدارس اور علماء کیلئے مختص کروڑوں حکومتی امداد وغیرہ عین حلال؟؟

اس طرح پنجاب گورنمنٹ نے مختلف مدارس کے ارباب اہتمام کو حکومتی اداروں کی سربراہی تنخواہیں، گاڑیاں، پولیس پروٹوکول اور ٹی اے ڈی اے اور دیگر حکومتی مراعات دی ہوئی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟؟ضیاء حکومت کے جاری شدہ زکوۃ کے نظام سے کئی مدارس خفیہ اور اعلانیہ کئی برس سے مستفید ہورہے ہیں، اس عرصہ دراز سے جاری استفادے کو کیوں ہدف تنقید نہیں بنایا جارہا؟ اور ان مدارس کے نام کیوں نہیں اچھالے جارہے؟ محض اس لئے کہ سیاسی طور پر جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا موقف الگ ہے، اور شاید اس لئے بھی کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے ارباب اہتمام اسی قافلہ حق کے ساتھ اب تک رواں دواں ہیں، جس میں ایک وقت میں بڑا ہجوم تھا لیکن زمانے کی نئی چال اور حالات اور مصالح کی نزاکتوں کے باعث سب ایک ایک کرکے اس قافلہ حریت کو تنہا چھوڑ گئے۔

اگر مضمون میں کوئی تلخ بات یا چبھتا ہوا جملہ محسوس ہوا ہو تو اس پر پیشگی معذرت مگر چونکہ حقائق تلخ ہوتے ہیں اور یہاں مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کی عزت اور حرمت کا مسئلہ تھا اسی لئے ہوسکتا ہے کہ قلم نے کمان کا کام دیا ہو۔امید ہے دارالعلوم پر تبرا کرنے والے حضرات اپنے موقف پر دوبارہ نظر ثانی فرمائیں گے۔

جو تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی